ہماری زبان

انجمن ترقی اردو (ہند) علیگڈھ کا پندرہ روزہ اخبار

قیمت فی پرچہ ، دو آنہ — چندہ سالانہ دو روپیہ

جلد ۱	۱۵ مارچ سنہ ۱۹۵۰ء	ایڈیٹر قاضی عبدالغفار	۲۶ جمادی الاول ۱۳۶۹ ہجری	نمبر ۶

کچھ اپنی باتیں

ہندی سیکھو

اگر یہہ کہا جائے کہ "اُردو" اور ہندستانی کی حفاظت کے لئے ہندی زبان اور دیوناگری لکھاوٹ کا سیکھنا ضروری ہے تو بغیر سوچے پڑھنے والوں کو یہہ بات عجیب سی معلوم ہوگی۔ لیکن گہرائی میں سوچنے والوں کے لئے یہہ کوئی اچنبھے کی بات نہیں ۔ ہندی سیکھنا کیوں ضروری ہے، اس کے کئی کارن ہیں۔

پہلی بات تو یہہ ہے کہ ہندی زبان اب "راجیہ بھاشا" (سرکاری زبان) بنادی گئی اور ہر اُس شخص کو جو اپنے ملک کا بھگت اور سچا پریمی اور وفادار ہو سرکاری زبان سیکھنی چاہئے تاکہ وہ اپنی نگری کت (شہریت) کے فرائض پوری طرح انجام دے سکے اور اُس کے اور اُس کی سرکار کے درمیان بیگانگی کا کوئی پردہ باقی نہ رہے ۔ زبان کا اختلاف بہت بڑا پردہ ہوتا ہے ۔ جب یہہ پردہ اُٹھہ جاتا ہے تو قومی ایکتا زیادہ مضبوط ہوجاتی ہے ۔ راجا اور پرجا اگر ایک دوسرے کی زبان نہ سمجھیں تو نہ اس کا اقتدار اور نہ اُس کی جمہوریت قایم رہ سکتی ہے۔ ایسی حالت میں جمہوریت پر کتنے ہی سندر غلاف چڑھائے جائیں ان غلافوں کے اندر ایک قسم کی فرقہ واری قطاعیت پھولتی پھلتی رہتی ہے ۔ اس لئے عوام کی اور سرکار کی زبان ایک ہونی چاہئی تاکہ دونوں کے وچار اور خیالات ایک ہوسکیں۔

جو لوگ ہندی زبان کو مشکل یا غیر سمجھتے ہیں انہیں بھی دل لگاکر اُسے سیکھنا چاہئی ۔ جب انگریزی حکومت قایم ہوئی تھی تو اُس کی زبان تو بالکل غیر ملکی زبان تھی ۔ پھر بھی ہم نے اُسے سیکھا اور اتنی اچھی طرح سیکھا کہ انگریزوں سے بہتر انگریزی بولنے اور لکھنے والے ہندستانی میں پیدا ہوگئے ۔ سریندرو ناتھہ بنرجی، بپن چندر پال، تلک، داس، عبداللہ یوسف علی، محمد علی، راس مسعود اور بیسوں ایسے لوگوں نے اپنی انگریزی دانی کے جھنڈے گاڑدئے ۔ انگریزی بالکل غیر زبان تھی مگر جب اُسکا سیکھہ لینا ہمارے لئے مشکل نہ تھا تو ہندی کا سیکھنا جو ہمارے ہی ملک کی زبان ہے اور ہماری دوسری زبانوں سے ملتی جلتی ہے ہمارے لئے کیوں مشکل سمجھا جائے ۔ ہم تو یہہ دیکھہ رہے ہیں کہ جو ہندی زبان نہ جاننے والے لوگ اب ہندی سیکھہ رہے ہیں وہ بہت آسانی سے اس زبان کو اپنا رہے ہیں ۔ آسان اُردو اور

ہندی میں سوائے رسم الخط کے اور فرق ہی کیا ہے۔

دوسری بات ہم یہہ کہتے ہیں کہ اصل ہندی زبان (آسان آردو)، خواہ اُس کا نام کچھہ بھی رکھا جائے نہ صرف اُتر دیش کی زبان بلکہ تمام ملک کی سرکاری زبان بن سکتی ہے۔ مگر ہند کی تاریخ میں کبھی بھی سنسکرت عوامی زبان نہ بن سکی۔ جب برھمنوں کا راج تھا تب بھی وہ راج اس زبان کو عوامی زبان نہ بنا سکا۔ بلکہ اُس نے تو عوام کے لئے اس زبان کا سیکھنا پاپ قرار دیدیا تھا۔ اس لئے ہمیں ہندی کے نام سے جو سنسکرت کا پرچار ہو رہا ہے اُس سے گھبرانا نہ چاہئے۔ یہہ تو صرف ایک عارضی ذہنی بدہضمی ہے جو خود ہی چند روز میں تجربہ کی گولیاں کھانے سے رفع ہوجائیگی۔

ایک بات ہمیں خاص طور پر مسلمانوں سے کہنی ہے اور وہ یہہ ہے کہ انگریزی زبان جب سرکاری زبان بنی تھی تو سب سے زیادہ مسلمانوں ہی نے اُس کے سیکھنے میں دیر کی تھی اور اس طرح وہ ترقی کی راہ میں آدھی صدی پیچھے رہ گئے تھے اور پھر انہیں اپنی اس غفلت پر افسوس بھی کرنا پڑا تھا۔ اب انہیں اُس غلطی سے بچنا چاہئے۔

ایک بات اور بھی یاد رکھنے کی ہے۔ بھارت کے "باپو" نے جو احسان مسلمانوں پر کیا ہے اُس کو بھولایا نہیں جاسکتا۔ یوں تو گرو کے بہت سے چیلے اپنے گرو کے وچن کو بھولتے جارہے ہیں، لیکن مسلمان تو ایسے احسان فراموش نہیں ہیں۔ جس کے بھی دل میں ذرا ایمان ہوگا وہ "باپو" کے احسانوں کو کیسے بھول جائیگا۔ زبان کے مسئلہ پر جو کچھہ "باپو" نے بتایا اور کہا وہ ہمارے دلوں پر نقش ہونا چاہئے اور یہہ "باپو" کا احسان ایک قرضہ ہے جو ہمیں ادا کرنا چاہئے۔ اگر بعض دوسرے لوگ جنہوں نے مہاتما کے چرنوں میں بیٹھہ کر سب کچھہ حاصل کیا تھا آج اُن کے اپدیش کو بھول گئے ہیں تو بھی مسلمانوں کو تو اُس روشنی سے اپنی آنکھیں بند نہ کرنی چاہئیں جو "باپو" نے انہیں دی تھی۔ دوسروں کا راستہ کتنا ہی ٹیڑھا ہو، مگر اُنکا راستہ سیدھا ہونا چاہئے۔

زبان کے مسئلہ کے بڑے بڑے جانکاروں کا کہنا یہہ ہے کہ قومی زبان تو وہی ہو سکتی ہے جسے عوام بولیں اور سمجھیں۔ وہ نہ تو فارسی اور عربی سے دبی ہوئی آردو ہو سکتی ہے اور نہ سنسکرت کی زنجیروں میں بندھی ہوئی ہندی۔ ایسی آسان زبان ہمارے پاس موجود ہے اور اب سوال صرف اتنا ہے کہ ہم بھارت کے ہر علاقہ کے رہنے والوں کو کس طرح بتائیں کہ قومی زبان تو بنی بنائی موجود ہے۔ اب تو یہہ بازار کا سودا ہے، اگر دو قسم کا مال دوکان پر رکھا ہو تو گاہک وہی مال خریدیگا جو اوس کے کام کا ہو۔ یہہ کام ہم سب کا ہے کہ جس زبان کو ہم ملک کے عوام کی زبان بتاتے ہیں اوسے ان لوگوں کے سامنے بھی پیش کریں جو اپنی علاقہ واری زبان تو رکھتے ہیں لیکن ابھی تک اس عوامی زبان سے مانوس نہیں ہیں۔ اگر ہم، جو دعوے کرتے ہیں کہ بھارت کی قومی زبان وہی ہو سکتی ہے جو آسان، عام فہم اور دوسری زبانوں سے ملی جلی ہو، دیوناگری اور ہند کی دوسری ترقی یافتہ زبانوں کی لکھاوٹ میں اپنی قومی زبان کو دور دور تک، دکھن میں اور گجرات میں اور کاٹھیاوار میں اور راجستھان میں اور بنگالہ میں، پہنچائیں تو اوس کو پڑھ کر سب ہی عقل رکھنے والے لوگ یہہ فیصلہ کرسکینگے کہ قومی زبان کیا اور کونسی ہونی چاہئے۔ اس لئے بھی ہمیں دیوناگری لکھاوٹ سے اچھی طرح واقف ہونا چاہئے۔

عجیب بات ہے کہ ہمارے بہت سے نیتا کہتے تو یہی ہیں کہ ہندی زبان کو ملک کی سب ہی زبانوں سے ضروری اور مفید شبد

لینے چاہیں مگر ایسا ہوتا نہیں - ہوتا یہہ ہے کہ سور داس اور کبیر اور تلسی داس کی ہندی بھی الٹ پلٹ ہو رہی ہے، ایسے دیس نکالا مل رہا ہے اور ہزاروں سال پورانے نہ جانے کہوں لے جارہے ہیں اور اس زمانہ کے سکے اب بازار میں بھیجے جارہے ہیں - اگر وہی سکے چلانے ہیں تو ہر کام میں انکا چلن ہونا چاہئی - یہہ کیا کہ دوکانیں تو بیسویں صدی عیسوی کی اور مال ان پر رکھا جائے صدیوں پورانا ایسا بیوپار کتنے دن چلیگا؟

بڑے بڑے لوگوں کی باتیں بھی بڑی بڑی ہوتی ہیں مگر چھوٹے چھوٹے لوگ بھی کبھی کبھی بات ایسی پتے کی کہہ جاتے ہیں کہ جب وقت آتا ہے تو بڑوں کو بھی کہنا ہی پڑتا ہے کہ ''وہ بات تو ٹھیک ہی تھی پر ہم تو اس وقت کسی اور ہی خیال میں تھے! اچھا آؤ اب لوٹ چلیں!''

لیکن زمانہ کبھی عقل کے واپس آنے کا انتظار نہیں کرتا - وہ تو گذرا ہی چلا جاتا ہے - دریا بہتا ہے تو وہ کاغذ کی ناؤ اور لکڑی کی کشتی دونوں کو بہا لیجاتا ہے - فرق صرف یہہ ہوتا ہے کہ کاغذ کی ناؤ دس کر جاکر ڈوب جاتی ہے اور لکڑی کی ناؤ سمندر تک تیرتی چلی جاتی ہے - اس وقت تو کاغذ کی ناؤیں تیر رہی ہیں، لیکن کچھہ تو ملاح ضرور ایسے ہیں جو چند روز بعد لکڑی کی ایسی مضبوط ناؤ اس دریا کے دھارے پر ڈالینگے جو زندگی کے سمندر کے سینہ پر تیریگی اور دنیا کے ایک کونے سے دوسرے تک بھارت کی بڑائی اور ایکتا کا پیام پہنچائیگی -

ہم یقین اور بھروسہ کے ساتھہ اس دن کا انتظار کر رہے ہیں - کیا حرج ہے اگر اپنے بھٹکے ہوئے نیتاوں کے اس کھیل کا تماشہ بھی چند روز دیکھہ لیں!

کچھہ ہلکے ہلکے اشارے

ہندستان کے صدر ڈاکٹر رجندر پرشاد نے بنارس یونیورسٹی میں تقریر کرتے ہوئے فرمایا کہ:-

''ہمارا دستور (سمویدھان) ہندی کو سرکاری زبان (راجیہ بھاشا) تسلیم کرتا ہے - اب جب کہ ہم آزاد ہوگئے ہیں ہمیں ایک زبان ایسی بنانی ہے جو انگریزی کی جگہہ لیلے - لیکن افسوس ہے کہ ابھی تک ہندی کو نظر انداز اور ایک طرح خود ان علاقوں میں جو اس کے علاقے ہیں اس کا اپمان کیا گیا ہے، ہماری آزادی نے ہم پر اپنی قومی زندگی کو ترقی دینے کی بہت بھاری ذمہ داریاں ڈالدی ہیں - ہمیں ابھی تہذیبی ترقی میں بہت کچھہ کی پوری کرنی ہے - ہمیں تسلیم کرنا چاہئی کہ ہمارا لٹریچر ابھی ترقی کا محتاج ہے - ہمیں ہندی زبان میں سائنسی، تعلیمی اور تجارتی لٹریچر پیدا کرنا ہے - ہمیں اپنے الفاظ کے خزانہ میں اضافہ کرنا ہے اور اب ہمیں اپنے اس کام کو تنگ نظری کے ساتھہ نہ کرنا چاہئی بلکہ ہمیں اتنا کافی وسیع القلب ہونا چاہئی کہ ہم غیر ملکی جڑوں سے بھی الفاظ لیکر انہیں اپنی زبان میں داخل کر لیں اور پوری طرح ہندستانی بنا لیں - مگر میرا یہہ مطلب نہیں ہے کہ ہم اس قدر زیادہ اور اتنی ازادی سے ایسے لفظوں کو اپنی زبان میں داخل کریں کہ ہماری زبان ہی اسقدر بدل جائے کہ اوس کی صورت پہچانی نہ جائے''

اس "جمہور ناپر بھتوا، لوکتنترت مکاکنا راجیہ" (Sovereign Democratic Republic) کے بنا اگر اتنے وسیع القلب بھی نہ ہوں کہ اپنے صدر کی نصیحت کو گرہ میں باندھ لیں تو پھر تنگ نظری کا شکوہ فضول ہے! راجندر بابو تو خود اس بھاشا سمان (Language Conference) میں موجود تھے جس نے ۸ سو نئے شبد ڈھالے ہیں - لیکن کیا اون ۸ سو میں سے آدھی درجن لفظ بھی ایسے ہیں جن کی نسبت کہا جا سکے کہ وہ باہر کے ہیں جنھیں ھندستانی بنایا گیا ہے! ...

خود راجندر بابو سرکاری زبان کے لٹریچر کی ترقی کا رخ دلوں کے وسعت کی طرف پاتے ہیں یا تنگ نظری کی طرف — یہہ ایک سوال ہے!!

اب رہا سوال "راجیہ بھاشا" اور "راشٹریہ بھاشا" کا اگر "راجیہ" کے دل کا پھیلاؤ اتنا ہے تو "راشٹریہ" کی وسعت کیا ہوگی!......

وہ غلطی سب سے بڑی غلطی ہوتی ہے جسے غلطی نہ سمجھا جائے"!

—اتر پردیش کے منتری شری حافظ محمد ابراہیم نے طبیہ کالج کے مشاعرہ کی صدارت کرتے ہوئے اپنی تقریر میں فرمایا کہ "اردو کے اندر خود اپنی جان ہے کہ وہ بغیر سرکاری زبان بنے ترقی کرتی رہی ہے اور ترقی کرتی رہیگی، کسی کو مایوس ہونے کی ضرورت نہیں ہے، وہ زندہ رہیگی اور اوس کی خدمت کرنے والے ہمیشہ موجود رہینگے" -

اس مشاعرہ کا انتظام انجمن بہار ادب نے کیا تھا - کچھہ دن مشاعرہ کی صدارت مسٹر ایچ بی وائنورائٹ نے کی تھی۔

شری حافظ ابراہیم کی بات تو بہت تسکین بخش ہے، ... لیکن اب کیا کہیے کہ معاملہ اتر پردیش کا ہے جہاں لوگ نہ جانے کیوں یہہ شکایت کر رہے ہیں کہ مدرسوں میں اردو کی تعلیم کے دروازے بند ہو گئے ہیں - اگر ہم حافظ صاحب سے اس معاملہ میں کوئی سوال کریگے تو وہ فرمائینگے کہ یہہ شکایت غلط ہے...... یا فرمائینگے کہ اردو والے سرکاری سرپرستی اور امداد پر بھروسہ ہی کیوں کریں - اردو تو بغیر اس کے بھی زندہ رہ سکتی ہے!

اصل یہہ ہے کہ منتریوں اور وزیروں کی کسی بات کے متعلق زیادہ فکر نہ کرنی چاہئے - وہ تو فرماتے ہی ہیں جو انہیں فرمانا چاہئے!! سننے والوں کا فرض یہہ ہے کہ اون کی بات سنکر خوش ہو جائیں اور شکریہ ادا کریں!! والسلام!

—ھند کی پارلیمنٹ میں ایک ممبر صاحب نے ملک کی ریلوے کے آئندہ انتظامات کے متعلق یہہ خوب کہا کہ اب ریلوں کی تقسیم بھی مختلف صوبوں کی بھاشا کے مطابق ہونی چاہئے، یعنی اوس ریلوے کا انتظام جو ھندی بولنے والے صوبوں میں گذرتی ہو الگ ہو اور اوس ریلوے کا الگ جو مرھٹی یا بنگالی اور اسی طرح دوسری صوبائی زبانوں کے علاقہ سے گذرتی ہے!

لیجئے ادھر تو ملک کی تقسیم کا رونا اور تقسیم کی وجہ سے فتنہ و فساد ابھی ختم ہونے میں نہیں آتا اور ادھر خود ملک کے اندر تقسیم در تقسیم کے نئے نئے فارمولے تیار ہو رہے ہیں! صوبائی بھاشا کے مطابق صوبوں کی تقسیم کی مانگ کہاں سے کہاں پہنچ گئی! مرھٹی بولنے والوں کی ریل اور انجن الگ، بنگالی بولنے والوں کے ڈبے الگ اور تامل اور تیلگو والوں کے الگ!! — بس صرف نام ہی رہگا "یونین"!! ... ... ایک دوست کیسی مزے کی بات کہا کرتے تھے کہ اللہ رزق دے یا نہ دے مگر عقل دے"!!

اپنے دیس کی خبریں

پٹنہ (بہار)

۲۰ فروری کو پٹنہ میں حلقہ ادب کا سالانہ جلسہ شروع ہوا تمام صوبہ کے نمایندے بکثرت شریک تھے - پہلے اجلاس کی صدارت اسد شاہین صاحب (رانچی) نے اور دوسرے کی نظام الدین فاروقی صاحب نے فرمائی - تیسری نشست کے صدر ساجد صاحب (مظفرپور) تھے-
۲۶ فروری کی شام کو کھلا اجلاس بصدارت ساغر نظامی صاحب منعقد ہوا-سعید اختر صاحب نے حلقہ ادب کی سالانہ رپورٹ سنائی - اسکے بعد حلقہ کا دستور پیش ہوکر منظور ہوا - حسب ذیل عہدہ دار آیندہ سال کے لئے منتخب کئے گئے:-

خلیل الرحمن صاحب، جنرل سکرٹری - غلام سرور صاحب ارگنائزنگ سکرٹری، محمد عزیز صاحب خازن اور شہباز حسین صاحب جائنٹ سکرٹری، حسب ذیل اصحاب کے پیامات سنائے گئے:-

مولانا ابوالکلام آزاد، گورنر بہار، خواجہ غلام السیدین، ڈاکٹر مسعود حسن رضوی، پنڈت کیفی، نواب علی یاور جنگ، ڈاکٹر عبدالستار صدیقی، پروفیسر احتشام حسین، ڈاکٹر مسعود حسین، قاضی عبدالغفار، عبدالرحمن صدیقی، پنڈت انند نراین ملّا-

شب کو زیر صدارت ساغر صاحب مشاعرہ ہوا - یہہ سالانہ اجلاس بہت کامیاب رہا اور امید کی جاتی ھے کہ اس اجتماع کے بعد اب صوبہ بہار میں اردو زبان کی تحریک میں ایک نئی زندگی پیدا ہوگی - حلقہ ادب کے کارکنوں نے بڑی محنت اور توجہ سے اپنا کام شروع کیا ھے - بعض پیامات میں اردو کے مستقبل کی نسبت بہت توجہ طلب اشارے کئے گئے ھیں -

خواجہ غلام السیدین

"کسی ملک اور قوم کی زبان سرکاری قانون کے ذریعہ سے نہ بنائی جاسکتی ھے نہ بدلی جاسکتی ھے .... اردو ملک کی مختلف زبانوں اور تہذیبی عنصروں کے میل جول کا نتیجہ ھے .. اس کو بڑھانے اور ترقی دینے کی کوشش ملک کی سیوا ھے ...... **شرط یہی ھے کہ اپ اوسکو اسان اور عام فہم بنائیں -** اوس میں سے پرانے چالو لفظوں کو نہ نکالیں بلکہ جو مناسب نئے لفظ ہوں خواہ وہ ھندی سے ملیں یا دوسری صوبائی زبانوں سے انہیں دل سے قبول کریں ....
زبان کو مقبول بنانے کا ایک طریقہ یہہ بھی ھے کہ اب اوسکی اچھی چیزوں کو دیوناگری میں چھاپیں تاکہ جو لوگ اردو لپی نہیں جانتے وہ بھی اون سے لطف اوٹھائیں"

ڈاکٹر سید مسعود حسن رضوی-

"آجکل ہمارے ملک میں فرقہ پرستی کی ہوائیں چل رہی ھیں ان میں اردو کی شمع جھلملاتی نظر آتی ھے مگر یقین رکھنا چاھئے کہ نہ یہہ ہوائیں ھمیشہ چلتی رھینگی اور نہ اردو کا چراغ کبھی گل ہوسکیگا .... مگر اب ھم کو اس بات پر غور کرنا ھے کہ ملک کے بدلے ہوئے حالات میں اردو کی ترقی کے لئے کیا کرنا چاھئے"-

---

پنڈت برجموھن دتاتریا کیفی

"........ اردو جب کہ اب تک تعصب بلکہ عصبیت سے مبرا رہی ھے اگر اب بھی اسی طرح رہی اور اردو والوں نے اس کو سیاسی اور ملی محاذ سے دور رکھا تو عجب نہیں کہ حکومت کو موجودہ قرار داد اور طرز عمل میں ترمیم کرنا پڑے اور قومی زبان کے بارے

میں وہ اس فارمولا پر عمل کرنے کو مجبور ہو جو مہاتما گاندھی نے قرار دیا تھا ...... آپکو معلوم ہے کہ ایسے ہندو حضرات بھی تعداد میں کم نہیں جو اس سنسکرت آمیز ہندی سے تنگ آئے ہوئے ہیں۔

گورنر بہار

"آردو ہندستان کی ایک زبان ہے۔ اوس نے ہندستان ہی کی سرزمین پر ترقی کی ہے علاوہ بریں آبادی کے ایک بڑے حصہ کی مادری زبان آردو ہے۔ میں یقین دلانا چاہتا ہوں کہ بہار کی حکومت انہیں تمام معقول آسانیاں دیگی تاکہ وہ اوس کی ترقی میں کوشش کرسکیں اور آردو اور دوسری مقامی زبانوں کے درمیان کوئی امتیاز نہ کیا جائیگا۔"

نواب علی یاور جنگ

"اب ہمکو اپنی پچھلی غلطیوں سے بچنا ہے اور آردو کو اپنے اصلی رنگ میں ڈھالنا ہے۔ اوس روپ میں وہ اب بھی لاکھوں ہندوؤں اور مسلمانوں کی زبان ہے اور رہیگی اور وہ زبان ہندی سے بہت کچھہ ملتی جلتی ہے ایک طرف تو خود آردو کی بقا اور دوسری طرف ملک کے سرکاری رسم الخط کو سیکھنے اور آگے بڑھانے کی غرض سے اگر اردو کتابیں صرف فارسی رسم الخط میں نہیں بلکہ دیو ناگری رسم الخط میں بھی لکھی جائیں تو مجھے یقین ہے کہ وہ اچھا اقدام ہوگا۔"

پنڈت آنند نرائین ملا

"اس زمانہ میں آردو کی خدمت کو قوم کی خدمت سمجھتا ہوں اور ملک میں امن اور رواداری پھیلانے کے لئے اوسکی بقا اور ترویج کو ضروری خیال کرتا ہوں"۔

حیدرآباد دکن

۲۰ جنوری سنہ ۱۹۵۰ء کو انجمن ترقی آردو حیدرآباد کا ایک جلسہ کیا گیا۔ اس جلسے کی کارروائی کے چند اقتباس نیچے دئے جاتے ہیں:-

آردو رسم خط میں یکسانیت پیدا کرنے کے مسئلہ پر غور کیا گیا۔ بحث کے دوران میں یہہ معلوم ہوا کہ اس مسئلہ پر پہلے سے بہت کچھہ کام ہو چکا ہے لیکن عملی طور پر اس کام سے اب تک کوئی خاص فائدہ نہیں آٹھایا گیا ہے۔ ضرورت ہے کہ اس کام کو تکمیل تک پہنچایا جائے اور اور جو اصلاحیں سب کے اتفاق سے طے پاجائیں انہیں عملی طور پر رواج دینے کی تدبیریں اختیار کی جائیں۔ طے پایا کہ اس غرض کے لئے مجلس عاملہ کی ایک کمیٹی بنادی جائے جو پچھلے کام کا جائزہ لیتے ہوئے جلد سے جلد اس ضروری اصلاح کو تکمیل تک پہنچائے۔ اگر ضرورت ہو تو یہ کمیٹی اوروں کو بھی اس کام میں شریک کرسکتی ہے سب کمیٹی کے جلسے طلب کرنا معتمد کا کام ہوگا۔

اردو زبان کے لئے رومن لکھاوٹ میں یکسانیت پیدا کرنے کے مسئلہ پر بھی غور کیا گیا۔ ملک کے اندر کافی بڑی تعداد ایسے لوگوں کی ہے کہ اگر ہم اپنی زبان ان تک پہنچانا چاہیں تو فارسی لکھاوٹ میں نہیں پہنچا سکتے۔ ان کے لئے رومن خط زیادہ موزوں اور سہل ثابت ہوگا۔ لیکن دیکھا یہہ جا رہا ہے کہ آردو والے جب کبھی رومن خط میں کچھہ لکھتے ہیں تو ایک طرح پر نہیں لکھتے جس کی وجہ سے پڑھنے والوں کو حیرانی ہوتی ہے۔ آردو زبان کے پھیلاؤ کے لئے یہہ بات مناسب نہیں ہے۔ ضرورت ہے کہ جب کبھی آردو زبان اس لکھاوٹ میں لکھی جائے تو وہ ایک ہی طرح پر لکھی جائے۔ حیدرآباد میں کئی صاحبوں نے اس مسئلہ پر سوچ بچار کیا ہے اور اپنی اسکیمیں تیار کی ہیں۔ ضرورت ہے کہ وہ سب اکٹھا ہوکر کوئی ایک اسکیم تیار کریں جس کی ملک بھر میں اشاعت کی جائے۔ طے پایا کہ اس غرض کے لئے بھی ایک سب کمیٹی بنادی جائے جو جلد اپنا کام پورا کرے۔ اس کمیٹی کے ذیل کے نام منظور کئے گئے:-

سجاد مرزا صاحب، ہارون خان شیروانی صاحب، غلام یزدانی صاحب، عبدالقادر سروری صاحب، ڈاکٹر جعفر حسین صاحب، سید محی الدین قادری زور صاحب اور معتمد۔

معتمد نے بعض مقامی اردو اخباروں کے اڈیٹروں سے اردو زبان کو آسان بنانے کے مسئلہ پر گفتگو کی تھی ۔ اثنائے گفتگو میں یہہ بات بھی زیر بحث آئی تھی کہ اکثر انگریزی اصطلاحوں کے ترجمے مختلف اخباروں میں مختلف طرح پر کئے جاتے ہیں ۔ حالانکہ ایسا نہ ہونا چاہئے ۔ اڈیٹر صاحبوں نے یہہ خواہش کی تھی کہ اگر انجمن کی طرف سے علمی اصطلاحوں کے مناسب ترجمے انہیں مہیا کر دے جائیں تو وہ خود بھی اُن ہی کو استعمال کریں ۔ اسی طرح اخباروں میں روز مرہ استعمال ہونے والی اصطلاحوں میں یکسانیت پیدا ہو جائے گی جو ہر لحاظ سے مناسب اور ضروری ہے ۔ بحث کے دوران میں معلوم ہوا کہ عثمانیہ یونیورسٹی میں جو کام ہو رہا ہے اولاً اس سے واقفیت حاصل کی جائے اور ساتھہ ہی مقامی اڈیٹر صاحبوں سے خواہش کی جائے کہ وہ ایسی انگریزی اصطلاحوں کی فہرست معتمد کے پاس روانہ کریں جو اخباروں میں زیادہ استعمال کی جاتی ہیں ۔

انجمن کے موجودہ قواعد میں ترمیم کی ضرورت سے مجلس عاملہ نے اتفاق کیا ۔ طے پایا کہ معتمد پروفیسر ہارون خان شیروانی صاحب کی مدد سے بدلے ہوئے قواعد کا ایک مسودہ تیار کر کے اسے اراکین میں گشت کرادیں اور بعد اوسے مجلس عاملہ میں منظوری کے لئے پیش کریں ۔

شہر کے مختلف محلوں میں مطالعہ گھر قائم کرنے کے سلسلہ میں طے پایا کہ پہلے موجودہ مطالعہ گھروں کی فہرست تیار کی جائے تاکہ یہہ معلوم ہو کہ کن محلوں میں پہلے سے مطالعہ گھر قائم ہیں ۔

کراچی

انجمن ترقی پسند مصنفین کراچی ، پاکستان سوشلسٹ ، فیڈرل الیوسی ایشن سندھ ، صوبائی اسٹوڈنٹس فیڈریشن ، سندھ ہاری کمیٹی ، ایکلا آف ڈیموکریٹک یوتھس پاکستان ، پیپلز لیبر ایسوایشن اخبار نویسوں مصنفین اور دانشوروں کا ایک مشترکہ جلسہ منعقد ہوا جس میں اُس اعلان کی مذمت کی گئی جس کی رو سے حکومت نے انجمن ترقی پسند مصنفین کو ایک سیاسی جماعت قرار دیا ہے ۔ قرارداد حسب ذیل ہے "انجمن ترقی پسند مصنفین کو ایک سیاسی جماعت قرار دیتے ہوئے حکومت نے جو اعلان کیا ہے یہہ جلسہ اسکی مذمت کرتا ہے اور اس خطرہ کا اظہار کرتا ہے کہ حکومت کا یہ اقدام نہ صرف ایک ادبی انجمن پر حملہ کی صورت میں نمودار ہوا ہے بلکہ شہری آزادی اور پاکستان کی تمام جمہوری طاقتوں پر بھی ایک حملہ ہے ۔ حکومت کی یہہ کوشش ہے کہ وہ سرکاری ملازمین کو ادبی انجمنوں میں شرکت سے باز رکھکر ان کی روحانی زندگی کو ختم کر دے ۔ حکومت کا یہہ حملہ نہ صرف عوامی زندگی شخصی و شہری آزادی اور ادبی انجمنوں پر ہے بلکہ ان کی ذہنی صلاحیتوں اور روحانی زندگی پر بھی ہے ۔ اس خطرہ کو عمل پذیر ہوتے ہوئے دیکھکر یہہ جلسہ حکومت سے مطالبہ کرتا ہے کہ وہ اپنی علم دشمنی اور جمہوریت کشی کے اقدام سے باز آئے اور اپنے اعلان کو واپس لے" ۔

بہار شریف

بزم اردو مدرسہ عزیزیہ کا سالانہ جلسہ ۲۲ مارچ کو زیر صدارت جناب عزیز الحق صاحب عزیز منعقد ہوگا جس میں مدرسوں کے درمیان تقریری مباحثہ ہوگا اور پھر انعامات تقسیم کئے جائینگے اور مشاعرہ بھی ہوگا ۔

علیگڈہ

مولانا حفظ الرحمن صاحب ناظم اعلی جمعیۃ علمائے ایجوکیشنل کانفرنس کی ایک ورکنگ کمیٹی کے جلسہ کے بعد مسلمانوں کی تعلیم کے مسئلہ پر اپنے خیالات ظاہر کرتے ہوئے فرمایا کہ لازمی بیسک تعلیم کا مسئلہ بہت اہم ہے ، جمعیۃ غور کر رہی ہے کہ اس کام کو اپنے ذمہ میں

لیے۔ مولانا نے کانفرنس کو بھی دعوت دی کہ وہ اس کام میں شرکت کرے اور فرمایا کہ مسلمانوں کو اور عام طور تمام ملک کو مسئلہ زبان اور تعلیم میں متحدہ کوشش کی ضرورت ہے۔ طے پایا کہ ۱۷ مارچ کو کیٹی کا جو جلسہ ہوگا اس میں پھر اس مسئلہ پر غور کیا جائے۔

---

۲۳ فروری کی شب میں مسلم یونیورسٹی کے ان طلبا کے کلب کی طرف سے جو ہوسٹلوں میں نہیں رہتے ایک غیر طرحی مشاعرہ منعقد ہوا۔ میر مشاعرہ شہر کے مشہور شاعر و حکیم آنند سروپ بسمل صاحب تھے جنھوں نے اپنی افتتاحی تقریر میں اردو زبان اور اردو شعرا اور اردو کے مشاعروں پر قابل قدر تبصرہ کیا۔ اس کے بعد مشاعرہ کا دور شروع ہوا۔ کئی ایک کامیاب غزلوں اور نظموں کے بعد ناظم مشاعرہ کی استدعا پر خیر صاحب بہوروی نمایندہ خصوصی انجمن ترقی اردو ہند نے لسانیات کے موضوع پر بلند پایہ تقریر کی اور تعارف کے بعد مولانا محمد یونس خالدی صاحب اختر لکھوڑی نے ایک مقالہ پڑھا جو ایک ادبی خط کی شکل میں تھا اور جس میں ادیب اور ادب کا نفسیاتی تجزیہ کیا گیا ہے۔

کلکتہ

شہر کلکتہ کے اردو سے دلچسپی رکھنے والے حضرات کا ایک جلسہ ۷ فروری سنہ ۱۹۵۰ء بمقام ۹۲/۱ بنٹنک اسٹریٹ کلکتہ ساڑھے چھ بجے شام کو زیر صدارت جناب ڈاکٹر زبیر صدیقی صاحب ایم۔اے۔پی ایچ ڈی (مدرس اعلی شعبۂ اسلامیات، عربی و فارسی، کلکتہ یونیورسٹی) منعقد ہوا۔ پروفیسر عبدالرحیم صاحب کی تحریک اور جناب پروفیسر نیاز احمد صاحب کی تائید پر اس جلسہ نے فیصلہ کیا کہ انجمن ترقی اردو (علیگڑھ) کی ایک شاخ شہر کلکتہ میں قائم کی جائے جس کے اغراض و مقاصد وہی ہوں جو مرکزی انجمن کے ہیں"۔ چنانچہ ترقی اردو کی کلکتہ کی شاخ کے لیے مندرجہ ذیل اراکین پر مشتمل ایک عارضی مجلس انتظامیہ کا وجود عمل میں آیا اور اس مجلس انتظامیہ کو اختیار دیا گیا کہ وہ حسب ضرورت دیگر اراکین کا اشتراک حاصل کرے:۔ دفتر کا پتہ یہ ہے: کلکتہ مسلم ایسوسی ایشن نمبر ۹۲/۱ بنٹنک اسٹریٹ کلکتہ۔

مجلس انتظامیہ:۔

سرپرست:۔(۱) حضرت خان بہادر سید رضا علی صاحب وحشت۔

(۲) جناب عبدالرحمن صاحب صدیقی۔

(۳) جناب ڈاکٹر زبیر صدیقی صاحب (انچارج شعبۂ اسلامیات، عربی و فارسی، کلکتہ یونیورسٹی)۔

صدر:۔ حضرت مولانا سعید احمد صاحب اکبر آبادی، پرنسپل۔ مدرسہ عالیہ کلکتہ۔ مدیر 'برہان' دہلی۔

نائب صدر:۔(۱) جناب مولانا عبدالحلیم صاحب صدیقی (صدر مدرس مدرسہ عالیہ، کلکتہ) صدر جمعیۃ علمائے ہند۔ کلکتہ مغربی بنگال۔

(۲) جناب پروفیسر عبدالرحیم صاحب۔

(۳) جناب میاں احسان الہی صاحب

(۴) محمد سلیمان صاحب وارڈا۔

(۵) الحاج خان بہادر شیخ محمد جان صاحب۔

جنرل سکریٹری:۔ شوکت ریاض سالک لکھنوی۔

جوائنٹ سکریٹری:۔ جناب علی احمد صاحب صدیقی۔

خازن:۔ جناب سید رحیم الدین صاحب۔ منیجر محکم الدین اینڈ سنس لمیٹڈ۔

آرہ

"آردوستان" کا ایک جلسہ زیر صدارت کیشو ناتھ صاحب، مجنوں نیازی صاحب کے مکان پر ہوا جس میں ٹریننگ اسکول آرہ کے اردو ٹیچر کی برطرفی پر احتجاج کیا گیا جس سے اردو کی تعلیم کا دروازہ بند ہو گیا ہے۔ نیز قرار پایا کہ اردو کی توسیع و اشاعت کے لئے پوری کوشش کرنی چاہئے۔

نئی کتابیں

"بہترین ادب" سنہ ۱۹۴۸ع

اس ۴۰۰ صفحوں کی کتاب کو چودھری برکت علی، مرزا ادیب اور قتیل شفائی نے مرتب اور مکتبہ اردو لاہور نے شایع کیا ہے۔ (قیمت ۲ روپیہ) - اس سے پہلے جدید اردو نثر و نظم کا ایک انتخاب سنہ ۱۹۴۷ع میں شایع ہوا تھا - یہہ اوس سالانہ انتخابی سلسلہ کی دوسری کڑی ہے - ان اوراق میں اردو کے اہل قلم کی نثر و نظم کے نمونے پیش کئے گئے ہیں اور بلا شبہ یہ انتخاب بہت احتیاط کے ساتھہ اور گہری نظر سے کیا گیا ہے۔ تقریباً ستر آدمیوں اور شاعروں کے کلام کا یہہ انتخاب ملک میں اردو زبان کے ادب کی ترقی اور اوس کے تغیرات کا مطالعہ کرنے میں اہل نظر کی بہت مدد کر سکتا ہے - مغربی ممالک کے لٹریچر میں تو اس قسم کی anthology بہت ہی عام ہو گئی ہے اور زبان کی تاریخ کا مطالعہ کرنے کے لئے بہت ضروری سمجھی جاتی ہے - گذشتہ چند سالوں میں اردو ادب کے متعلق بھی دو تین کتابیں ایسی شایع ہو چکی ہیں - اس تبصرہ کا مقصود اہل قلم کی تحریروں پر تبصرہ نہیں بلکہ بحیثیت مجموعی صرف یہہ دیکھنا ہے کہ ان اوراق پر جدید اردو ادب کی پوری تصویر پیش ہو سکی ہے یا نہیں - ہماری رائے میں یہہ انتخاب کامیاب رہا ہے - امید ہے کہ آیندہ سال بھی سال رواں کے ادب کا ایک گلدستہ اسی صورت میں پیش کیا جا سکیگا -

طباعت اور کتابت بہت غنیمت ہے - کہیں کہیں کتابت کی خرابیاں نظر میں کھٹکتی ہیں - لیکن امید ہے کہ آیندہ اشاعتوں میں یہہ بھی نہ رہینگی - ہماری تمنا تو یہہ ہے کہ اب اردو ادب کی تمام کتابیں ٹائپ میں شایع ہوا کریں - ہمارے لٹریچر کا مستقبل اب لیتھو کی طباعت سے وابستہ نہیں رہ سکتا اور رہیگا تو اوس کی ترقی کی رفتار سست رہیگی -

---

"آبگینۂ شعر"

بشیر النسا بیگم صاحبہ بشیر (حیدرآبادی) کے کلام کا مجموعہ - ناشر، ادارہ ادبیات اردو حیدرآباد - قیمت ۲ روپیہ -

---

حیدرآباد کی خواتین میں شعر و سخن کا جو ذوق پچھلے چند سالوں بہت بڑھ گیا ہے اسکا ایک اچھا نمونہ یہہ مجموعہ ہے - اس مجموعہ میں مذہبی اور اخلاقی رنگ نمایاں ہے - فن کے اعتبار سے محترمہ بشیر کا کلام ایک پختہ کار شاعرہ کا کلام ہے، فکر اور انداز بیان دونوں میں بلندی اور سلاست ہے - موضوعات بھی اچھے اچھے ہیں - مجموعہ کا صرف ایک حصہ اب بے محل معلوم ہوتا ہے اور وہ خانوادہ آصفی کے عنوان سے وہ شاہ پرستی ہے جس نے دکن کے لوگوں کی ذہنی ترقی کو عرصہ تک روکے رکھا - ایک شخصی ملوکیت میں سرکار اور دربار کے حلقہ کی ذہنی گرفت اتنی سخت ہوتی ہے کہ وہ شعرا اور ادیبوں کے افکار کو مجہول اور مفلوج کر دیا کرتی ہے - آبگینۂ شعر کا اگر یہہ حصہ اشاعت سے پہلے حذف کر دیا جاتا تو بہت اچھا ہوتا - "عید سیمین" اور "رافت سلطانی" اور "مادر دکن" کا "سانحہ عظیم" اور اسی قبیل کے مضامین جن پر شاعرہ نے اپنے فکر و فن کو ضایع کیا ہے، آج ان اوراق پر بدنما داغ معلوم ہوتے ہیں - سنہ ۱۹۳۱ ع میں شاعرہ محترمہ نے جاہ و جلال کی دعاؤں کے جو گیت گائے تھے وہ آج کانوں کو کتنے بے سرے معلوم ہوتے ہیں - مثلاً

جہاں میں طلعت شمس و قمر رہے جب تک
زمیں پہ سکۂ شام و سحر رہے جب تک
امور شہ میں نہ ہرگز گرہ کا نام پڑے
مگر یہہ سالگرہ کی گرہ مدام پڑے

مئے نشاط سے لبریز تیرا جام رہے
جہاں میں زندہ جاوید تیرا نام رہے۔

شاعر کو زندگی گہرائیوں میں جاکر مستقبل کی طرف دیکھنا چاہئی، دس سال پہلے، جب یہہ نظمیں لکھی گئی تھیں سوچنے والے اس حقیقت سے بے خبر نہ تھے کہ "مئے نشاط" کا یہہ جام جس میں شخصی خود غرضیوں اور انانیت کی شراب کے سوا کچھہ نہ تھا ٹوٹنے ہی والا ہے اور "امروشہ" میں وہ گرہ پڑنے والی ہے جس کا کھولنا ناممکن ہوجائیگا۔ لیکن شخصی اقدار کے دایرے میں شاعر بہی سوچ نہیں سکتا اور نہ دیکھہ سکتا ہے، ماحول اُسے ایک ایسے عالم میں رکھتا ہے جہاں

نہ کرسئی فلک نہد اندیشہ زیر پا
تا بوسہ بر رکاب قزل ارسلاں زند!!

"انگیۂ شعر" کے اس بدنما جزو سے قطع نظر کرکے محترمہ بشیر کے کلام کا یہہ مجموعہ ہر طرح لایق تحسین ہے۔

دیوان غالب مع شرح

از جوش ملسیانی صاحب۔ ناشر اتما رام اینڈ سنز، کشمیری گیٹ دہلی۔ قیمت پانچ روپیہ۔

غالب اور اقبال کے کلام پر لکھنے والوں نے اتنا کچھہ لکھہ ڈالا ہے کہ اب ان دونوں کے متعلق اگر کوئی نئی کتاب سامنے آتی ہے تو یہہ سوچنے کی ضرورت ہوتی ہے کہ کچھہ وقت اُسکے پڑھنے میں صرف کیا جائے یا نہ کیا جائے؟ ملسیانی صاحب نے اپنی شرح میں یہہ کوشش کی ہے کہ دوسری شرحوں میں جو کمی رہ گئی تھی اُسے پورا کریں اور غالب کے کلام پر جو تنقید کریں وہ بے لاگ ہو اور محض مداحی نہ ہو۔ کہیں کہیں اُنہوں نے اسی اصول کی پابندی کی ہے۔ غالب اپنے رنگ میں ایک مجدد وقت تھا، اُسکے کلام پر تنقید آسان کام نہیں۔ تجدد کے اعتبار کا دایرہ بہت وسیع ہوا کرتا ہے اس لئے غالب جیسے شاعر کے کلام کو عام پیمانوں میں ناپا اور تولا نہیں جاسکتا۔ غالباً اسی لئے ملسیانی صاحب نے اپنی شرح میں تنقید کا پہلو زیادہ نمایاں نہیں کیا۔ بہر حال جو لوگ "غالبیت" کے دلدادہ ہیں اور غالب کے کلام سے صحیح ذوق رکھنے ہیں اُن کے لئے اس کتاب میں دلچسپی کا مواد بہت کافی ہے۔

ثمرۂ باغبانی

مصنفہ ابوالاحسان نذیر احمد خاں ملیح آبادی۔ ملنے کا پتہ نذیر برادرس۔ ملیح آباد ہاؤس، اصطبل چارباغ۔ لکھنؤ۔ قیمت دو روپیہ۔

یہہ کتاب پھلوں کے چھوٹے بڑے باغوں کی حفاظت اور پرداخت کی تدابیر کے متعلق ایک اچھا ہدایت نامہ ہے۔ ہمارے لٹریچر میں اس قسم کی کتابوں بہت ضرورت ہے۔ مصنف نے فن باغبانی کے متعلق بہت سی مفید معلومات ان ۱۱۲ صفحوں میں جمع کردی ہے۔ بدلے ہوئے معاشی حالات میں باغبانی کو ایک فن کی حیثیت سے ہماری زندگی کا ایک اہم شعبہ ہونا چاہئے۔ جاگیرداریاں اور زمینداریاں ختم ہورہی، تجارت میں مشکلات بڑھ گئیں، چھوٹے سرمایہ داروں کے لئے فکر معاش کے راستے تنگ ہوگئے۔ ایسی حالت میں زراعت اور باغبانی کے فن سے واقف ہوکر پھلوں کی پیداوار کو زیادہ سے زیادہ بڑھانا ضروری ہے۔ جو لوگ اس فکر میں ہیں کہ اپنے معاشی مسایل کو کس طرح حل کریں اُن کے لئے اس کتاب کا مطالعہ یقیناً مفید ہوگا۔

بہ اہتمام سید اعجاز علی (علیگ) منیجر مسلم یونیورسٹی پریس علیگڈھ میں چھپا اور قاضی عبدالغفار صاحب
پبلشر نے صدر دفتر انجمن ترقی اُردو علیگڈھ سے شائع کیا۔